An Overview of Autobiography in Ancient Arabic Literature

قدیم عربی ادب میں خود نوشت سوانح نگاری کا ایک جائزہ

Dr. Syed Yasir Ali
Lecturer Arabic Department
National University of Modern Languages – Islamabad
E-mail: syali@numl.edu.pk ORCID: https://orcid.org/0000-0002-2801-4020

Muhammad Ayaz
Lecturer Arabic Department
Swat University – Swat
E-mail: swatkhan8999@gmail.com ORCID: https://orcid.org/0000-0002-9461-3283

Abstract

Autobiography is a well-known and useful genre of literature from which human beings are aware of each other's experiences, observations and facts. In the light of history when we study the literature of Arabic language, we have found the indications and gesture of the Ancient Arabic Literature. Such as we have mentioned some of the books where the scholars has reflected the indications of ancient Arabic literature in their books and other authorships like(Resala an Seerat e Husain Ibneishaq) or (Aseera Al Falsafiah) Fakhrudeen Raze. However the literature known as autobiography is present in their books, but the only difference is that the writer did not use the adjectives and verbs like: Diary, memoirs, and confession.
The mentioned adjectives and verbs are not common at that time. The rest of their contents are present in many Arabic language compilations.

Keywords: Autobiography, Arabic Literature, Literary Genres.

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسوله الكريم وعلى آله وصحبه أجمعين إلى يوم الدين، وبعد!

خود نوشت سوانح نگاری ادب کی ایک ایسی معروف اور مفید صنف ہے جس سے بنی نوع انسان ایک دوسرے کے تجربات ومشاہدات اور احوال و کوائف سے آگاہ ہوتے ہے اس صنف کا آغاز وارتقاء صدیوں پر محیط ہے انسان ابتداء سے اپنی ذات اور تجربات کے اظہار کے لئے نئے طریقے اختیار کرتا رہا ہے۔ یہ فی الواقع انسان کے اس جذبہ تجسس کی مظہر ہے جس کے باعث وہ اپنے گرد وپیش کو جاننے اور سمجھنے کی سعی کرتا ہے۔ کائنات کے بے پناہ مسائل اور اسرار ورموز سے واقفیت رکھنے والے شخص کی یہ فطری خواہش ہو گی کہ وہ اپنے دوسرے بھائیوں سے تجربات ومشاھدات اور حقائق ومعلومات کا تبادلہ کرلے۔ اس سے وہ صرف ایک دوسرے سے آگاہ ہی نہیں ہوتا بلکہ خود کو ذہنی آسودگی اور سکون فراہم کرتا ہے، کیونکہ اپنی ذات تک پہنچنے کا اس کے پاس یہی واحد راستہ ہے۔

بیسویں صدی عیسوی میں مختلف اسباب وعلل کی وجہ سے خود نوشت سوانح عمری کو غیر معمولی ترقی ہوئی۔ یہ ترقی بھی ہمہ جہتی ہے۔ ان اسباب میں وہ جدید افکار ونظریات اور علوم وفنون خاص طور سے قابل ذکر ہیں جو انسانی نفسیات، مزاج اور طبائع سے بحث کرتے تھے۔ پھر عربوں کے سیاسی وسماجی حالات بھی ان کے لئے اپنی ذات اور شخصیت کا گہرا جائزہ لینے کا اہم سبب بنے۔ اس کام میں وہاں کے متوسط طبقہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کیونکہ یہ طبقہ حریت، استقلال، جمہوریت اور دستور کا دوسروں کے بالمقابل کچھ زیادہ ہی ضرورت مند تھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے ذاتی اور انفرادی احساس کے تحت جو کچھ لکھا ان میں لوگوں کے جذبات کی بھرپور عکاسی تھی۔ ان میں

ضرورت کے مطابق مغربی مواد سے بھی استفادہ کیا گیا تھا، اس طرح ان میں کچھ ایسے اوصاف اور خصائص ابھر کر سامنے آئے جو قدیم عربی خود نوشتوں میں زیادہ نمایاں نہیں ہو سکے تھے۔

قدیم وجدید عربی سرمایے میں خود نوشت سوانح عمریوں کا ایک قابل لحاظ حصہ موجود ہونے کے باوجود یہ امر باعث تعجب ہے کہ دورِ حاضر کے عرب محققین نے ادب کی دوسری اصناف مثلاً شاعری، افسانہ اور ڈرامہ نگاری پر جس قدر توجہ دی ہے خود نوشت سوانح نگاری کے درس و مطالعہ پر وہ اس قدر توجہ نہیں دے سکے ہیں۔ اور یہ آج تک ہماری توجہ کی اصل محتاج ہے۔ اس اہم ادبی صنف سے یہ غفلت اور بے توجہی فی الواقع اس موضوع کے انتخاب کا ایک اہم سبب بنی۔ بلاشبہ یہ ایک مشکل کام تھا۔ عربی زبان میں اس موضوع سے متعلق جو کچھ مواد موجود ہے وہ حد سے زیادہ ناکافی ہے۔ اس میں بھی عمیق بحث و تحقیق کے بجائے حد سے زیادہ اختصار اور عجلت سے کام لیتے ہوئے صرف عمومی مسائل سے تعرض کیا گیا ہے۔ زیادہ تر مصنفین نے اس صنف کا فنی تعارف پیش کرنے کے بجائے اس کے تاریخی پہلو کی وضاحت پر اپنا وقت صرف کیا ہے۔

قدیم عربی ادب میں خود نوشت سوانح نگاری کا ایک جائزہ

انسان اپنی جبلت اور فطرت کی بنیاد پر ہر دور اور زمانے میں علم و معرفت کے بیش از بیش حصول کے لئے سر گرداں رہا ہے، اسکی سعی وجہد کی جہات ہمیشہ مختلف اور متنوع رہی ہیں۔ وہ خارجی اور ذاتی ذرائع کو استعمال کر کے کائنات کے راز ہائے سربستہ کی تلاش و جستجو میں منہمک رہا ہے۔ ظاہر ہے یہ انسان جو اس قدر اپنے گرد و پیش سے دلچسپی رکھتا ہو، اپنی ذات سے غفلت کبھی نہیں برت سکتا تھا۔ اس کی ذات خود ایک جہاں ہے۔ اور یہاں صرف اسی کی رسائی ہو سکتی ہے۔ وہ جہاں ایک طرف اپنی ذات کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے وہیں دوسری طرف اپنے احساسات و تاثرات سے اپنے دوسرے بھائیوں کو مختلف مقاصد پیش آگاہ بھی کرتا ہے۔ اپنی ذات سے متعلق انسان کا یہ دو طرفہ عمل ہمیشہ سے موجود رہا ہے۔ چنانچہ جب ہم دور جاہلی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں وہاں بھی فہم ذات اور اظہار ذات کی مختلف ٹوٹی پھوٹی اور غیر منظم کوششیں نظر آتی ہیں جس کے عملی مظاہر آج بھی فخریہ، ہجویہ اور دوسری نوعیت کے قصائد کی شکل میں موجود ہیں۔ اسلام کی آمد کے بعد جب علوم و فنون کو باضابطہ ترقی ملی اور لکھنے پڑھنے کا رواج عام ہوا تو دوسری اصناف سخن کیطرح سیرت نگاری کی تاریخ کو بھی پھیلنے پھولنے کا بھرپور موقع میسر آگیا۔ قبل اس کے کہ ہم قدیم عربی ادب میں سیرت نگاری کی تاریخ اور اس کے ارتقائی مراحل کا جائزہ لیں، یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قدماء کی اس صنف سے آگہی اور واقفیت کی تفصیلات کا پتہ لگایا جائے اس سے ہمیں اس فن کے تعلق سے قدماء کے موقف کی فہم و فراست میں مدد ملے گی اور ہم زیادہ وضاحت کیساتھ یہ جان سکیں گے کہ ادب کی اس اہم ترین صنف کے بارے میں ہمارا کیا رویہ رہا ہے؟۔

قدیم عربی ادب میں خود نوشت کیلئے استعمال کی جانے والی اصطلاح کا سراغ لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ''سیرۃ'' اور ''ترجمہ'' دونوں کا مفہوم ''سوانح حیات'' ہوتا تھا۔ عربوں کے یہاں فرد کی تاریخ نے مختلف شکلیں اختیار کی جن میں اولین شکل ''سیرۃ'' کی تھی۔ سیرت کا یہ لفظ ''سار یسیر سیر'' سے نکلا ہے جس کے معنٰی ہیں . جانا، روانہ ہونا، چلنا۔ . طریقہ و مذہب۔ . سنت۔ . ھیئت۔ . حالات۔ . کردار۔ ۷. کہانی۔ . خصوصیت سے آنحضرت ﷺ کے مغازی کا بیان۔ . اخیر میں آپ کے پورے احوالِ زندگی کا بیان[1]۔

اس لفظ کے اصطلاحی مفہوم کے سلسلے میں یہ کہا جاتا ہے کہ لفظی معنی ''طریقہ'' سے نکل کر شروع میں اس پر خاص معنی ''طریقة المسلمین فی المعاملة مع الکافرین'' غالب آگیا۔ شروع میں یہ حضور ﷺ کے جنگوں میں طریقہ کار کیلئے بولا جاتا تھا پھر بعد میں تمام امور میں آپ کے طریقہ کار کیلئے بولا جانے لگا بلکہ اس سے بھی وسیع ہو کر دوسرے لوگوں کے طریقہ کار کیلئے استعمال ہونے لگا(2)۔

عربوں میں سیرت نگاری کی مختلف شکلیں رہی ہیں، بعض کتابیں مخصوص طور سے کسی ہستی کے بارے میں تفصیلات سے آگاہ کرتی ہیں تو دوسری طرف بہت سے لوگوں کے تذکرے ہوتے ہیں، اس سب کیلئے ان کے پاس الگ الگ نام ہے، سرِ دست جس لفظ ''سیرۃ'' سے ہم بحث کر رہے ہیں اس کا اطلاق شروع میں صرف رسول اللہ ﷺ کی زندگی اور ان کے مقدس غزوات پر ہوتا تھا لیکن یہ بعد میں عام ہو کر دوسرے لوگوں کی زندگیوں کے لئے بھی استعمال ہونے لگا، مثلاً عوانہ کلبی نے حضرت اُمیر معاویہؓ اور ان کے خاندان کی تاریخ ''سیرۃ معاویۃ وبنی معاویۃ'' کے نام سے تحریر کی(3)۔ اس کا تذکرہ ابن ندیم نے کیا ہے اور اس کا زمانہ ظہور سیرۃ ابن اسحاق سے قریب لگتا ہے بعد کے زمانوں میں یہ عمومیت برابر بڑھتی گئی۔ خود سیرت نگاری کا فن جب آگے بڑھا تو اس کی بہت سی شاخیں، طبقات، تراجم اور جرح وتعدیل وغیرہ کے ناموں سے مستقل فن کا درجہ اختیار کر گئیں۔

جہاں تک لفظ ''ترجمہ'' کا معاملہ ہے تو اس کا استعمال ساتویں صدی کے اوائل تک نہیں ملتا ہے۔ ساتویں صدی ہجری میں سب سے پہلے یاقوت حموی نے اپنی معجم میں اس لفظ کا استعمال کسی شخص کی زندگی کے معنی میں کیا۔ اس خیال کو تقویت اس بات سے بھی ملتی ہے کہ ابوالفرج الاصفہانی نے اپنی کتاب الأغانی میں اس لفظ کا استعمال نہیں کیا۔ حالانکہ انھوں نے بہت سے شعراء اور ادباء کی زندگیوں پر روشنی ڈالی ہے وہ اس کی جگہ پر خبر اور أخبار کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ لفظ ترجمہ کا استعمال اصطلاحی طور سے مختصر سوانح حیات کیلئے ہونے لگا اور لفظ سیرت کا استعمال طویل سوانح حیات کیلئے۔ یہ تفریق بھی ماضی میں تھی۔ اب جدید اصطلاح میں ان دونوں کو ہم معنی تصور کیا جاتا ہے اور پھر یہیں سے ''السیرة الذاتیة'' یا ''الترجمة الذاتیة'' کا استعمال خود نوشت Autobiography کے معنی میں ہونے لگا(4)۔

سیرت نگاری کیساتھ ساتھ اس سے متعلق جو دوسرے فنون عربوں میں متعارف ہوئے ان میں خود نوشت سوانح نگاری بھی ہے۔ غالباً اس کی طرف توجہ فارسی اور یونانی آداب سے واقفیت کے بعد منعطف ہوئی۔ ایرانیوں کے بارے میں انھیں یہ معلوم ہوا کہ ان کے بادشاہ اور دوسرے قومی رہنما اپنی ذاتی زندگی اور وصیتیں اپنے لڑکوں کے لئے قلمبند کر دیا کرتے تھے۔ پھر دوسری قوموں کے ساتھ اختلاط کے بعد انھیں انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی شخصیت کے تحفظ کا احساس ہوا۔ مزید یہ کہ جزیرۂ عرب سے باہر نکلنے کے بعد زندگی کے مختلف میدانوں میں عربوں نے جو وسیع وعریض اور مہذب ومتمدن دنیا دیکھی اور اس پر فتح حاصل کی اس کی وجہ سے انھیں اپنے تجربات ومشاہدات سے دوسرے ہم مسلک لوگوں کو روشناس کرانے کی فکر دامنگیر ہوئی(5)۔ اس کے علاوہ بھی بعض دوسرے اسباب ہیں۔ بہر حال ان سب اسباب کی وجہ سے ہمارے بزرگوں نے اپنے بارے میں لکھنا شروع کیا۔ انھوں نے باضابطہ خود نوشت کا لفظ تو نہیں استعمال کیا، لیکن جو کچھ لکھا وہ اس اصطلاح کے مطابق تھا۔ اس مسئلے پر کہ وہ خود نوشت کی مکمل شکل وصورت کی کتنی تصویر کشی اور نمائندگی کرتا ہے اور اسمیں کیا کیا کمال اور خامیاں باقی رہ گئیں ہیں۔

قدیم عربی خود نوشت سوانح کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مختلف مقاصد اور محرکات کے تحت لکھی گئی ہیں۔ ہر ایک کے پشت پر ایک مقصد ہوتا ہے جو اپنے مصنف سے لکھنے کا بار بار مطالبہ کرتا ہے، جب یہی اصرار حد تک آگے بڑھ جاتا ہے تو مصنف کے لئے اپنی قومی زندگی کے احوال اور نجی تجربات کا بیان ضروری ہو جاتا ہے بعض مصنفین اپنی خود نوشت کے محرکات کا تذکرہ کر دیتے ہیں اور بعض تذکرہ تو نہیں کرتے لیکن ان کی خود نوشت کے مکمل مطالعہ سے ان کا سراغ لگا لیا جاتا ہے خواہ مصنف تذکرہ کرے یا نہ کرے کچھ داخلی محرکات تو ضرور کار فرما ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی ایک محرک کے بجائے کئی کئی محرک کار فرما ہوتے ہیں اور ان کا بھی پتہ لگانا کوئی زیادہ مشکل نہیں ہوتا ہے۔ قدیم عربی خود نوشت سوانح میں کچھ اوصاف مشترک طور سے پائے جاتے ہیں۔ خوبیوں میں یہ اشتراک عوامل اور محرکات میں اشتراک کے باعث پیدا ہوا۔ اگر عوامل و محرکات کے لحاظ سے ان خود نوشت سوانح عمریوں کی تقسیم کی جائے تو یہ کچھ اسطرح ہو گی۔

1- **مدافعانہ اور معذرت خواہانہ:-** اسمیں مصنف اپنے کسی خاص فکر اور موقف کی وضاحت کرتا ہے اور اگر عوام وخواص میں اس کے کسی نظریہ یا عمل کے بارے میں کوئی غلط فہمی پائی جاتی ہو تو اسکو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ قدیم عربی سرمایہ میں "حنین بن اسحاق، سموال بن یحی المغربی اور طیب مصری" کی خود نوشتیں اسی مقصد کے تحت لکھی گئی ہیں۔

مفصل اور طویل تالیفات میں: "المؤید في الدین" کی "سیرۃ المؤید في الدین داعي الدعاۃ[6] " **امیر عبداللہ بن بلقین** کی "التبیان عن الحادثۃ الکائنۃ بدولۃ بني زیری فی غرناطۃ[7] " **اور علامہ ابن خلدون کی** "التعریف بابن خلدون ورحلتہ شرقا وغربا[8] " بھی اسی قسم کی خود نوشتوں میں شمار کی جاتی ہیں۔

2- **روحانی کشمکش کی تصویر گری کرنے والی خود نوشت:-** اس قسم میں وہ خود نوشت سوانح عمریاں شامل ہیں جن کے مؤلفین روحانی اعتبار سے اضطراب وانتشار کے شکار رہے ہیں ان میں سے بعض کو کوئی متعین راہ مل گئی اور بعض آخری وقت تک یوں ہی سر گرداں رہے۔ ایسی تالیفات میں سے امام غزالی کی "المنقذ من الضلال[9] "، امام رازی کی "السیرۃ الفلسفیۃ" حارث محاسبی کی "کتاب الفصائح" کے بعض حصے اور ابن ھیثم کی اپنی خود نوشت بطور مثال پیش کی جاسکتی ہیں[10]۔

3 **—معاشرے کی رسوم ورواج کے خلاف اپنے تاثرات کا اظہار:-** اس مقصد کیلئے لکھی گئیں تالیفات میں ابو العلاء المعری کے بعض رسالے اور ابو حیان التوحیدی کی "فی مثالب الوزیرین" ، " في الصداقۃ والصدیق" اور "الامتاع والمؤانسۃ" ہیں۔ لیکن اس مقصد کیلئے کسی مستقل بالذات تصنیف کا پتہ نہیں چلتا۔ بس دوسرے مقصد کے تحت لکھی گئیں تالیفات میں یہ مقصد بھی ضم ہو جاتا ہے۔

—اپنی مثالی زندگیوں کی تصویر کشی:- اس میں انشاءپرداز اپنی اخلاقی، عقلی اور فکری زندگی کی تفصیلات سے آگاہ کرتا ہے تاکہ لوگ ان سے مستفید ہوں۔ اس کی مثال عبدالرحمان بن جوزی کی "لفتۃ الکبد فی نصیحۃ الولد"، عبدالوہاب شعرانی کی "لطائف المنن" اور حلاج، ابن عربی اور سہر وردی کی اپنی ذات سے متعلق تحریریں ہیں۔ خالص فکری زندگی کے تمام مراحل کی تفصیلات سے آگاہ کرنے کیلئے لکھی گئیں تالیفات میں بیرونی، رازی، ابن الہیثم، سخاوی، سیوطی اور ابن طولون کی تحریریں ہیں۔ مؤخر الذکر کی تالیف کا نام " الفلك المشحون فی أحوال محمد بن طولون" ہے[11]۔

—زندگی کے تجربات اور اہم یادگار، واقعات کو محفوظ رکھنے کی خواہش:-اس میں وہ تالیفات شامل ہیں جن کی تحریر کا مقصد اپنی مفید اور مؤثر زندگی کے تجربات ومشاہدات کی تصویر کشی ہو۔ عربی ادب میں اسامہ بن منقد کی'' کتاب الاعتبار[12] '' ،ابن حزم کی ''طوق الحمامة فی الألفة والألاف[13] '' اور عمارہ یمنی کی'' النکت العصریة'' اس قسم کی بہترین مثالیں ہیں۔

مذکورہ بالا مباحث سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ عربی ادب میں اظہار ذات کی اعلی وارفع شکل خود نوشت کا وجود بہت عرصہ پہلے سے رہا ہے اور یہ کہ اس کی تالیف کے محرکات بھی کم و بیش وہی رہے ہیں جو دوسری زبانوں میں پائے جاتے ہیں۔

قدیم عربی خود نوشت کے تعلق سے ایک اہم اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس میں وہ سب کچھ موجود ہے جسے ہم یومیات، مذاکرات اور اعترافات کے نام سے جانتے ہیں۔ فرق صرف یہ تھا کہ اس زمانے میں یہ اصطلاحات عام نہیں تھیں بقیہ ان کے مشمولات عربی زبان کی بہت سی تالیفات میں موجود ہیں، چنانچہ اگر ہم اس نقطۂ نظر سے عربی سرمائے کا جائزہ لیں تو قاضی فاضل کی کتاب'' في مبادیات '' کا طرز اسلوب اور مواد آج کے زمانے میں معروف اصطلاح یومیات سے بڑی سے بڑی حد تک ملتا جلتا ہے۔ اسی طرح بہت سے سیاحوں نے بھی اپنے سفر نامے روز بروز تحریر کرنے کا معمول بنا رکھا تھا۔ ان کا یہ طرز بھی یومیات سے ملتا جلتا ہے۔ مذاکرات کے بارے میں بھی یہی بات کہی جاسکتی ہے۔ ایسی تحریریں تو بکثرت موجود ہیں جن میں شخصیات، احوال وواقعات اور تجربات ومشاہدات کو اپنے مخصوص انداز میں بیان کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں۔ باقی یہ مذاکرات سیرت کی ان کتابوں کیساتھ مل کر بھی آئے ہیں جنمیں وزراء اور حکام کے احوال بیان کئے گئے ہوتے ہیں۔ إنشاء انھیں اپنے مشاہدات اور تجربات کی روشنی میں قلمبند کرتا ہے۔ گویا ان میں مصنف کی ذات اور دوسروں کی سیرت دونوں کا حسین امتزاج ہوتا ہے۔ اس طرح کی کتابوں میں ابن دآکی ''احمد بن طولون، سنوی کی ''سلطان جلال الدین'' اور ابن شداد کی'' سلطان صلاح الدین'' کا نام بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔ موجودہ زمانے میں ''اعتراضات'' کا سلسلہ زیادہ عام اور مقبول ہوا ہے۔ ان کا تعلق زیادہ تر روحانی اور فکری مسائل سے ہوتا ہے۔ خاص طور سے اپنے گناہوں، جسمانی لذت اندوزیوں اور دیگر لغزشوں کا بیان کرکے کبھی اظہار ندامت کیا جاتا ہے اور کبھی اظہار فخر۔ اسی طرح کبھی کبھی سر گرداں اور پریشان حال دکھا کر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ عربی زبان میں محاسنی کی ''الفصائح الدینیة'' اور امام غزالی کی ''المنقذ من الضلال'' اس کی بہترین مثال ہیں۔ ابن ھیثم اور رازی کی تحریروں میں بھی اس طرح کے اعتراضات بکثرت موجود ہیں[14]۔

دورِ حاضر کی خود نوشتوں میں پر جوش انقلابیت، معاشرے سے علی الاعلان بغاوت اور روایات واقدار کا کھلے عام استہزاء اور تمسخر کا جو انداز پایا جاتا ہے قدیم عربی ادب کی خود نوشتوں میں یہ چیز زیادہ اُبھر کر سامنے نہیں آسکی۔ یہاں بالعموم حوالگی اور خود سپردگی کا رنگ غالب رہا ہے۔ حتی کہ بعض وہ شخصیات جن کی صلابت اور مصائب برداشت کرنے میں بے پناہ مشق وممارست ضرب المثل تھی وہ بھی مشکلات کے سامنے سپر ڈال دیتی ہیں اور گوشہ نشینی وجلاوطنی کو ترجیح دیتی ہیں۔ گویا ان کے پیچھے ان کا یہ نظریہ کام کرتا ہے کہ ان کے بارے میں سوچنا، غور وفکر کرنا اور ان سے نجات حاصل کرنے کے لئے سعی وکوشش کرنا ان کا اپنا کام نہیں ہے بلکہ یہ قضاء وقدر کے فیصلے کے تحت انجام پاتے ہیں ان لوگوں میں علامہ ابن خلدون جیسے فرد بھی شامل ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کشمکش کا وہ احساس جو فن کی تخلیق کا باعث ہوتا ہے قدیم عربی خود نوشت سوانح عمریوں میں بہت ہی کمزور ہے بقیہ نفس کشمکش اور تصادم تو ہر آن اور ہر لمحہ موجود ملتا ہے[15]۔

جس طرح قدیم عربی خود نوشت سوانح عمریوں میں ہمیں انقلابیت اور عریانیت کی کمی نظر آتی ہے اسی طرح نفسیاتی عمق کی بھی کمی کا احساس ہوتا ہے۔ یہ وصف مذکورہ بالا دونوں اوصاف کیساتھ ساتھ چلتا ہے اور اس کا وجود بڑی حد تک فرد اور معاشرے کے درمیان او رفرد کے اپنے بارے میں اور اپنے معاشرے کے بارے میں خیالات کے درمیان ہم آہنگی اور توافق کی موجودگی پر منحصر ہے۔ یہ اس انفرادی فخر کے بالمقابل بھی بہت گہری چیز ہے جو اپنی اچھائیوں اور دوسروں کی برائیوں کے تذکرہ پر قائم رہتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں آج بھی یہ سطحیت پائی جاتی ہے کیونکہ شخصیت کی فلسفیانہ توجیہ یہاں کمزور یا ناپید ہے۔ یہاں ناولوں، افسانوں، ڈراموں اور سوانح میں خارجی حرکات و سکنات اور عوامل کے نقل کرنے میں تو مہارت کا اظہار کیا جاسکتا ہے لیکن اندرونِ نفس غواصی اور غوطہ خوری کوشش بہت کم ہوتی ہے، حالانکہ یہی وہ عمق ہے جسکی وجہ سے شخصیات کو بقاء دوام کی دولت نصیب ہوتی ہے (16)۔

مذکورہ بالا مباحث میں قدیم عربی خود نوشت سوانح عمریوں کے اندر جو تین اہم کمزوریاں بتائی گئی ہیں ان کی موجودگی کے بعض اسباب (مثلاً طبعی نسیان، قصد انسیان، فطری حیا و شرم وغیرہ) تو وہ ہیں جو ہر زبان کی خود نوشت سوانح عمریوں کیلئے مسئلہ بنے ہیں لیکن بعض اسباب عربوں سے خاص طور سے متعلق ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ عرب فطرۃً اور قوموں کے بالمقابل باحیاء اور خوددار واقع ہوئے ہیں وہ اپنے یا اپنے بھائیوں کے مصائب طشت از بام کرنے سے حتی الامکان گریز کرتے ہیں اور دوسرے یہ کہ عرب جس دین کے علمبردار ہیں اس کی تعلیمات اولاً اخلاقی مفاسد پر ہر طرح سے قدغن لگاتی ہے۔ اور ثانیاً اُن کے تذکرہ اور تشہیر کو بھی سختی سے ممنوع قرار دیتی ہے۔ تیسرے یہ کہ عربوں کی معاشرت میں اخلاقی مفاسد کو بہر حال ہمیشہ ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ ان خود نوشتوں میں بہت زیادہ وضاحت اور صاف گوئی کی راہ میں حائل ایک رکاوٹ عربی کی سیاسی صورتحال بھی ہے۔ یہ صورت حال ہمیشہ پیچیدہ رہی ہے او رآزادی و فکر و رائے پر پابندی کی قائل رہی ہے۔ ڈاکٹر عبدالرحمان بدوی نے ایک سبب کی طرف رہنمائی کی ہے وہ لکھتے ہیں:-

"آریوں کی بالمقابل سامیوں کے یہاں چونکہ شخصیت کا تصور بڑا پر پیچ رہا ہے اس لئے اس کے باعث عربوں میں خود نوشت سوانح عمری کا فن اس قدر ترقی پذیر نہیں ہو سکا جتنا آریائی نسل کے لوگوں میں ہوا۔ انھوں نے اس ادبی صنف کو اپنی فکری اور تحریری سرگرمیوں کی جولان گاہ بنایا یہاں تک اسے ادب کا ایک اعلی فن بنا دیا کیونکہ ان کے اندر اپنی شخصیت کا احساس بہت قوی اور واضح ہے۔ عربوں میں سے جنہوں نے اس باب میں کچھ لکھا ہے ان میں سے بیشتر خالص عرب نہیں تھے بلکہ دوسری جنسوں سے مرکب تھے"(17)۔

اگر مضمون اور مواد سے ہٹ کر خالص فنی لحاظ سے غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ عہد ماضی کی بیشتر عربی خود نوشتوں میں فن کی وہ تمام خوبیاں اور عناصر پائے جاتے ہیں جو انھیں عہد جدید کی خود نوشتوں سے قریب کر دیتے ہیں ان میں سے اکثر کا اسلوب صاف اور واضح، عبارتیں شیریں پیشکش خوبصورت اور سلیس اور اندازِ بیان افسانوی ہوتا ہے۔ ان سے ماضی کی تمام یادیں تازہ ہو جاتی ہیں اور واقعات و تجربات کی تصویر کشی سے جذبات میں حرکت اور حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔

ان خود نوشتوں میں سے بیشتر نے زمانی و مکانی عناصر کے اثبات، شخصیات اور مقامات کے ناموں کی وضاحت اور تاریخ کی روشنی میں واقعات کی تفصیل وغیرہ پر توجہ دی ہے، اس کے ساتھ ان میں زبانی اور اسلوب وغیرہ پر بھی توجہ دی گئی ہے۔ اس طرح یہ آپ

بیتیاں کسی حد تک قاری کی توقعات پر پورا اترتی تھیں چنانچہ انھیں عوام وخواص کی طرف سے یکساں مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ان میں سے بعض کے افسانوی طرز بیان نے ان سے دلچسپی اور شغف میں مزید اضافہ کر دیا۔

قدیم عربی خود نوشت سوانح عمریوں کے سرمایوں پر نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہیئت اور شکل وصورت کے اعتبار سے ان کے درمیان تنوع اور اختلاف پایا جاتا ہے،ان میں سے بعض خود نوشتیں اگر مکمل ہیں تو بہت سی غیر مکمل۔اسی طرح بعض کی حیثیت مستقل بالذات خود نوشت کی ہے تو بعض دوسروں کی حیثیت ضمنی اور ذیلی کی ہے۔ٹھیک اسی طرح چونکہ یہ خود نوشت سوانح عمریاں مختلف طبقات اور مختلف میدان کے لوگوں کے ذریعہ لکھی گئی ہیں اس لئے ان کے مضمون اور دوسری تفصیلات میں بھی فرق ہے۔یہاں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض قدیم خود نوشت سوانح عمریوں کا تعارف پیش کیا جائے[18]۔اس تعارف سے پہلے ان کوششوں کا اجمالی تذکرہ افادیت سے خالی نہیں ہوگا جن میں کسی نہ کسی حیثیت سے مؤلفین نے اپنا تذکرہ خود کیا ہے۔

1- رسالة عن سيرة حسين بن اسحاق – طبقات الاطباء لابن أبي أصيبة

حنین بن اسحاق 260ھ نے یہ رسالہ یونانی طبیب اور فلسفی جالینوس سے متاثر ہو کر لکھا۔اسمیں انھوں نے اپنی زندگی کا تعارف پیش کیا ہے اور ان مشکلات کا ذکر کیا ہے جو اس کے حاسدین کی سازشوں سے خلیفہ متوکل کے دربار میں پیش آئی تھیں۔یہ رسالہ ابن ابی اُصیبعۃ کی ''طبقات الاطباء'' میں مذکور ہے۔

– السيرة الفلسفية – فخر الدين رازى

یہ رسالہ بھی جالینوس سے متاثر ہو کر لکھا گیا ہے،اسمیں امام رازی نے اپنی فلسفیانہ زندگی پیش کی ہے۔ابن اَبی اُصیبعۃ کے طبقات میں اس کا کچھ حصہ موجود ہے۔

– النكت العصرية – عمارة اليمنى

یہ کتاب فی الواقع مصری وزراء کے بارے میں ہے لیکن اسمیں مصنف نے اپنی زندگی کی داستان بھی قلم بند کی ہے اور اپنی بہت سی حکایات اور قصائد کا ذکر کیا ہے۔

– مباديات – قاضى فاضل

قاضی فاضل نے اسمیں اپنی زندگی کی بہت سی باتیں نقل کی ہیں۔اس کتاب کو عربی زبان میں اعترافات کی نوعیت کی کتاب سمجھا جاتا ہے۔

– الفلك المشحون فى أحوال مُحَمَّد بن طولون – مُحَمَّد بن على بن طولون

دسویں صدی ہجری کے معروف مؤرخ نے یہ رسالہ مستقل طور سے اپنے اَحوال کے لئے لکھا ہے۔

– لفتة الكبد إلى الضحية الولد – عبد الرحمن بن الجوزى

یہ رسالہ امام ابن جزری نے اپنے بیٹے کی نصیحت کیلئے لکھا ہے، لیکن چونکہ اسمیں اپنی تالیفات اور حکایات کو بھی نقل کیا ہے، اس لئے اسے خود نوشت کی قبیل کا سمجھا جاتا ہے۔

-الضوء اللامع لأهل القرن التاسع - شمس الدين سخاوى

یہ کتاب پوری صدی کے لوگوں کی تاریخ پر مشتمل ہے لیکن مصنف نے اس میں اپنی زندگی کا تعارف بھی پیش کر دیا ہے۔اس میں زندگی سے متعلق بہت سی جزئیات بھی آگئی ہیں۔

—الاحاطۃ فی أخبار غرناطۃ- لسان الدین بن خطیب

مذکورہ کتاب کی طرح اس کتاب میں بھی مصنف نے اپنے أحوال زندگی شامل کر دیئے ہیں۔

—حسن المحاضرۃ فی أخبار مصر والقاھرۃ -جلال الدین السیوطی

اس کتاب کا معاملہ بھی مذکورہ بالا دونوں کتابوں کی طرح ہے۔

—سیرۃ ابن الھیثم الذاتیۃ- بقلمہ [19]

اس سے مختلف اقتباسات ابن أبی أصیبعۃ نے نقل کیا ہے۔ابن ھیثم کی جرأت، بے باکی اور صاف گوئی قابل ستائش ہے۔اس نے مختلف عقائد اور دیگر مسلم امور وروایات کے خلاف آواز بلند اور شک کا اظہار کیا۔

مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ بعض دوسری تحریریں بھی ملتی ہیں جسمیں مصنف نے اپنی زندگی خود بیان کی ہے۔مثلاً ابن أبی أصیبعۃ ہی نے ابن سینا، موفق الدین البغدادی اور ابن رضوان کی مختصر خود نوشتیں نقل کی ہیں [20]۔اسی طرح جاحظ، أبو حیان توحیدی، صلاح الصفدی، صابی اور صولی وغیرہ کی بھی ایسی تحریریں موجود ہیں جن میں ان کے احوال زندگی اور حکایات وواقعات مذکور ہیں۔ان کے علاوہ بھی عربی زبان میں بعض دوسری تالیفات کا وجود ملتا ہے جو کسی نہ کسی پہلو سے اپنے مصنفین کا تعارف پیش کرتی ہیں۔

عربی زبان کی مختصر یا طویل، اسی طرح مستقل یا غیر مستقل خود نوشت سوانح حیات کے مذکورہ اجمالی تعارف کے بعد اب بعض ایسی تصنیفات کا تعارف مقصود ہے جو قدرے طویل ہیں اور جنکی حیثیت بھی مستقل بالذات جیسی ہے۔ان میں ان کے مؤلفین نے اپنی ذات کو واشگاف کرنے کی کوشش کی ہے۔اسطرح کی تالیفات کل تقریباً چھ ہیں۔

-طوق الحمامۃ فی الألفۃ والألاف: - یہ کتاب ابن حزم اندلسی (384ھ /456ھ) کی تالیف ہے۔مختلف دوسری خوبیوں اور اوصاف کے علاوہ یہ فقہ کے ایک مستقل مذھب کے بانی ہیں اور دینی امور میں ان کا تشدد اور عدم مداھنت معلوم ومعروف ہے لیکن اس کے باوجود انھوں نے یہ کتاب اپنے جذباتِ محبت کی تعبیر وتفصیل کیلئے تحریر کی ہے۔عربی زبان کے ذخیرۂ کتب میں اس کتاب کو اس حیثیت سے نمایاں مقام ہے کہ اسمیں مصنف کے کمزور گوشۂ زندگی بھی دائرہ تحریر میں لے لئے گئے ہیں۔یوں موجودہ اصطلاح کی مطابق یہ ''اعترافات'' کی نوعیت کی کتاب ہے [21]، مصنف کی صاف گوئی اور صراحت کا عالم یہ ہے کہ مذہبی حیثیت کے حاصل ہونے کے باوجود اپنے تجربات عشق ومحبت کھول کر بیان کر دیتے ہیں۔اس کتاب میں ہزاروں چھوٹی چھوٹی حکایاتِ محبت مذکور ہیں۔اس کا انداز افسانوی ہے اور یہ کل تیس فصلوں پر مشتمل ہے۔اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس سے پانچویں صدی ہجری کے اندلس کی اندرونِ خانہ صورتحال ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔بلاشبہ یہ صورتحال بے حد ابتر تھی۔فارغ بالی اور خوش حالی کی وجہ سے لذت اندوزی اور نفس پرستی کا ہر طریقہ وہاں عام تھا۔ظاہر ہے اسی سماج سے ابن حزم کو بھی واسطہ پڑا تھا۔یہ بھی مختلف ادوار اور مراحل سے گزر کر کچھ بن سکے تھے۔انھوں نے کوئی بات مخفی نہیں رکھی اور اپنے أحوالِ دل اور کیفیات قلبی بڑی دقت اور مہارت سے لوگوں کے سامنے پیش کر دی [22]۔

اس کتاب کے ابواب اور اس کے مشتملات دیکھ کر ہی اس کے مصنف کی باریک بینی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ کتاب کی ادبی، فنی اور دوسری خوبیوں کی بنیاد پر اسے عربی زبان کی ایک بہترین خود نوشت قرار دیا گیا ہے۔ کتاب میں جگہ جگہ نفسیاتی تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔ اسطرح اسے ''استبطان نفسی'' اور ''تعمق نفسی'' کی شاہکار بتایا گیا ہے[23]۔

اس کتاب کی مذکورہ خوبیوں کیساتھ ساتھ بعض خامیاں بھی ہیں۔ مثلاً کتاب بعض واقعات کی نسبت مصنف اپنی طرف کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے، بس اشاروں کنایوں سے کام لیا۔ زندہ لوگوں کے واقعات خاص طور سے بغیر نام کی صراحت کے بیان کیا۔ بہت سی یادیں بھی نسیان کا شکار ہو گئیں، اسمیں اشعار کی کثرت ہے، کہیں کہیں ضائع بدایع کی بھی زیادتی معلوم ہوتی ہے۔ کہیں کہیں ''عریاں ادب'' (الأدب المکشوف) کا مظاہرہ بھی ہوا ہے۔

-السیرۃ المؤیدیۃ: - اس کتاب کے مؤلف المؤید فی الدین ھبۃ اللہ بن موسی بن داؤد الشیرازی (390ھ – 470ھ) ہیں۔ یہ فاطمی سلطنت کے زبردست داعی تھے۔ انھوں نے اپنی اس کتاب میں اپنی زندگی کے صرف متعین مرحلہ (429ھ تا450ھ) کی تصویر کشی ہے[24]۔ یہ وہی مؤید ہیں جن کے ابو العلاء المعری سے حرمت لحم اور اکتفا بالنباتات کے سلسلے میں طویل مراسلت ہوئی تھی۔ یہ فطرۃ اور جاہ وعزت کے حد سے زیادہ طلبگار تھے۔

انھوں نے اپنی اس کتاب میں تفصیل کیساتھ ان واقعات اور حادثات کو بیان کیا ہے جو ابو کالیجار کے دربار میں پیش آئے اور اپنے خلاف ہونے والی ان سازشوں کو ذکر کیا ہے جن کے باعث اسے ایران چھوڑ کر مصر جانا پڑا، پھر مصر میں سفر وغیرہ کی جو صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں ان پر روشنی ڈالی ہے اور یہ بتایا ہے کہ کیسے بساسیری کے ساتھ ملکر خلافت عباسیہ کے خلاف سازش کرنے میں کامیابی ملی؟ اسکے باوجود اس کے اسباب وعوامل کیا تھے[25]؟ ان امور کے علاوہ کتاب میں جگہ جگہ دوسرے دینی، فقہی اور معاشرتی کا تذکرہ ہے۔ ان سے مصنف کی قوتِ مناظرہ اور بحث وجدال کا ثبوت ملتا ہے۔

یہ کتاب 429ھ سے 450ھ تک کی تاریخ پر مشتمل ہے کتاب میں مصنف کے تین اہم مراحلِ حیات کی تصویر کشی اس کے تین الگ الگ ابواب میں کی گئی ہیں۔ یہ کتاب چونکہ ایک پر آشوب دور کی یادگار ہے اس لئے اس کی تاریخی، معاشرتی اور سیاسی اھمیت کا اندازہ لگانا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ استاذ محمد حسین ھیکل نے اسے صرف مصنف کی سوانح حیات نہیں بلکہ پورے نصف صدی کی تاریخ پر ایک اہم مأخذ قرار دیا ہے[26]۔ بلاشبہ مصنف کے اپنے زمانے کے حالات سے بڑا گہرا ربط وتعلق تھا اس لئے ان کے بارے میں تفصیلی معلومات ان کی کتاب سے مل جاتی ہیں۔

اس کتاب کی اھمیت کے باوجود اس پر بعض اعتراضات بھی کئے گئے ہیں۔ ایک اعتراض یہ ھیکہ مصنف نے بہت سے پر پیچ مسائل میں کوئی موقف واضح اختیار نہیں کیا۔ اور دوسرے فاطمی مبلغین کیطرح ''ستر'' سے کام لیا۔ خود اپنی زندگی کی بہت سی تفصیلات سے پردہ نہیں اٹھایا۔ ان کی ابتدائی زندگی پیدائش سے لیکر تعلیم وتربیت تک کی بالکل مستور اور مخفی ہے[27]۔ دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ان کا اسلوب سخت ہے، اسمیں سہولت اور روانی نہیں ہے سجع کا بکثرت استعمال ہے جبکہ خود مصنف نے ابو العلاء المعری کے بعض رسائل میں اسے عیب قرار دیا تھا[28]۔ تیسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ کتاب میں غرور اور عقلی احساسات غالب ہیں۔ ہر جگہ اپنے وقار اور اُنا کا تحفظ کیا گیا ہے۔ اسی لئے لوگوں کے اجتماعی، سیاسی اور معاشی مسائل سے بہت زیادہ تعرض نہیں کیا۔ ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ

واقعات کی تاریخ وغیرہ کا ذکر نہیں ہے۔ چنانچہ پانچویں صدی ہجری کی کس تاریخی کتاب کی مدد کے بغیر بہت سی باتیں واضح نہیں ہو پاتی ہیں[(29)]۔

3 ۔التعریف بابن خلدون ورحلتہ شرقا وغربا:- علامہ ابن خلدون کا زمانہ بھی پر آشوب، پرپیچ اور اضطراب انگیز رہا ہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی سوانح قلمبند کی۔ اور اسمیں اپنی ابتدائی زندگی کی تفصیلات بھی فراہم کردیں۔ اس کے علاوہ ان کے خطوط اور اشعار کی بھی معتد بہ تعداد ہے لیکن اسی کتاب کی تالیف کا بنیادی مقصد کچھ امور کی وضاحت اور تفصیل پیش کرنی تھی۔ ان پر یہ الزام تھا کہ اندلس میں انھوں نے بہت سے انقلابات میں شرکت کی ہے۔ لوگ انھیں ناپسند کرنے لگے تھے یہاں تک کہ ان کے دوست لسان الدین بن الخطیب بھی۔ اسیطرح مصر میں انھیں متعدد بار قضا کی ذمہ داری سونپی گئی لیکن ہر بار انھیں معزول کردیا گیا اس سے یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ اس کا سبب لوگ خود ان کو قرار دینے لگے۔

مذکورہ دو اسباب اور بعض دوسرے اسباب کی بنا پر انھوں نے اپنی خود نوشت تحریر کی۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی پوری زندگی کی جزئیات کا احاطہ کرنا اپنا مقصود نہیں بنایا تھا۔ چنانچہ اپنی ابتدائی بیس سال کی زندگی چند صفحات میں سمیٹ دی اور بچپن و نوجوانی کے بہت سے امور و مسائل سے تعرض نہیں کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی علمی اور سیاسی تاریخ لکھنا زیادہ مقدم سمجھتے تھے[(30)]۔

ابن خلدون کی اس کتاب پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں مراسلات کی کثرت ہے[(31)] اور مراسلات بھی اگر بقدر ضرورت نقل کر لیے جائیں تو کوئی حرج نہیں لیکن یہاں پورے کے پورے بے موقع اور بے محل نقل کر لئے گئے ہیں۔ اس سے مقصود ان کی زبان دانی کا اثبات تھا۔ حالانکہ یہ اُس سے بچ سکتے تھے۔ اسی طرح اس کتاب پر یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسمیں بعض واقعات وحادثات کی تکرار ہے اور بعض واقعات مقصد سے ہم آہنگ نہیں تھے۔ علامہ ابن خلدون ان کے نقل کرنے کو حق بجانب قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے قاری کو مراجعت میں آسانی ہوگی۔ اس کتاب پر ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اسمیں ابن خلدون کے فکری ارتقاء، اسلوب تحریر اور فلسفۂ زندگی کے بارے میں تفصیلات نہیں ہیں۔

ان سب اعتراضات کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ "کتاب التعریف" ایک اہم تاریخی دستاویز ہے، اسمیں ایک زمانے کے سیاسی اور معاشرتی احوال کی بہترین تصویر بیان کردی گئی ہے۔ ان احوال کا مصنف کا خود بیحد گہرا تعلق تھا۔ بلاشبہ مصنف ایک مضبوط اور معتدل شخصیت کے مالک تھے قضا کی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں حق کا دامن ہمیشہ پکڑے رکھا۔ ان کے خلاف سازشیں کی گئیں۔ انھیں متعدد بار معزول کیا گیا۔ لیکن جادۂ حق سے منحرف نہیں ہوئے۔ اولاً وہ قضا کی ذمہ داری قبول کرنے سے گریز کرتے تھے لیکن بادشاہِ وقت کی طرف سے کسی اصرار کو ٹالتے نہیں تھے۔ عزل و نصب کے سلسلے میں بادشاہِ وقت کے تمام اقدامات کو وہ قبول کرتے تھے اور ان پر کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں کرتے تھے۔ ان کے نزدیک بادشاہ بہر حال ایک محترم ہستی تھی[(32)]۔

۔کتاب الاعتبار: یہ کتاب مشہور مسلم سورما اور مردِ مجاہد اسامہ بن منقذ (ھ) کی یادگار ہے۔ مذکرات کی نوعیت کی یہ کتاب اپنے مصنف کی زندگی کے تجربات و مشاہدات کو عام فہم انداز میں پیش کرتی ہے۔ اپنی تاریخی اہمیت کے پیشِ نظر اسے چھٹی صدی ہجری کے حالات و واقعات کے بارے میں واقفیت کا ایک بہترین ذریعہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ مصنف نے اسمیں خاص طور

سے شام اور مصر کے اسلامی معاشرے اور صلیبی جنگوں میں اپنی شرکت و شجاعت وجوانمردی کے واقعات کئے ہیں۔ عہد ایوبی میں صلیبی جنگوں کا جو سلسلہ رہا ہے اس کے بارے میں یہ کتاب بیش قیمت مواد فراہم کرتی ہے۔ کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس کا مصنف بہترین شاعر، ادیب اور سپہ سالار تھا اس لئے اسے کوئی واقعہ قلمبند کرنے میں دقت پیش نہیں آئی۔ واقعات کی جمع وتدوین میں صداقت، اعانت اور عدل وانصاف کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اس کا اعتراف مسلم محققین کے علاوہ مستشرقین کو بھی ہے (33)۔

کتاب کا مرکزی موضوع مصنف کی جوانمردی اور شجاعت کا بیان ہے۔ مصنف نے بچپن کی زندگی سے ایسے واقعات نقل کئے ہیں جو اسکی بہادری پر دلالت کرتے ہیں۔ اس جوہر گرانمایہ کی دیکھ ریکھ اور تزئین وآرائش میں ان کے والد کی تربیت کا خصوصی دخل تھا۔ وہ کسی بھی جرأت مندانہ اقدام پر اظہار نکیر نہیں کرتے تھے (34)۔ مصنف کو شکار کھیلنے سے بھی بہت زیادہ دلچسپی تھی۔ اس سے متعلق کئی ایک واقعات کتاب میں منقول ہیں، جو ان کی بے خوفی، ہمت اور حوصلے پر بہترین دلیل ہیں۔ بقیہ فرنگیوں کے ساتھ معرکہ آرائی کے تو بے شمار واقعات ہیں۔ مصنف نے اس کتاب میں یہ فلسفہ بار بار دہرایا ہے کہ ''موت کا ایک وقت متعین ہے، یہ اپنے وقت پر آئے گی۔ انسان اگر جلدی کرنا چاہے تو اس کے لئے ممکن نہیں خواہ وہ کتنے ہی بڑے خطرات میں اپنے آپ کو ڈالتا رہے'' (35)۔

کتاب کی اور خوبیوں کے علاوہ ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اسمیں مسلم اور عیسائی مردوں اور عورتوں کی نفسیات اور طبائع کا بہترین مطالعہ کیا گیا ہے۔ قاری اسے پڑھ کر دلچسپی کا بہت سامان پالیتا ہے۔ اسمیں اپنی ذات کی مبالغہ آمیز مدح وتوصیف بھی نہیں ہے۔ اس کتاب کی کمیوں میں ایک یہ ہے کہ اسمیں زبان کہیں کہیں بے ربط معلوم ہوتی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ مصنف نے پیرانہ سالی میں اسے ترتیب دیا اور کسی کی مدد سے اسے مدون کیا۔ یہی وجہ ہے کہ غلطیاں باقی رہ گئیں۔ کتاب میں عوامی زبان کے الفاظ اور تراکیب بھی ہیں۔ کیونکہ مصنف کا عوامی زندگی سے گہرا رابطہ تھا اور وہ اس کتاب کو ہر طبقہ کے لوگوں کے لئے لکھ رہا تھا۔

— **المنقذ من الضلال:** — یہ کتاب مشہور اسلامی مفکر اور فلسفی امام غزالی کی تحریر کردہ ہے۔ اسمیں انھوں نے اپنے اندر دن برپا اس کشکمش کی تصویر کھینچی ہے جو فکر وفلسفہ کی وادیوں میں سرگرداں ہونے کی وجہ سے انھیں درپیش تھی (36)۔ حتی کہ شدید روحانی اضطراب وانتشار سے دوچار ہونے کے بعد انھیں حق کی معرفت ہوئی اور ریب وتشکیک کا زمانہ ختم ہوا۔ وہ اسکی تفصیل بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انھیں علم وفن ومعرفت کی راہ میں مشکلات ومصائب برداشت کرنے کا شوق بچپن سے تھا۔ وہ ہر بات کا تنقیدی مطالعہ کرتے تھے۔ تقلید واتباع ان کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں تھی۔ اپنی اس طبیعت کی وجہ سے وہ تمام موروثی عقائد اور روایات پر شک کرنے لگے۔ حقیقت کی تلاش میں انھوں نے مختلف فلسفیانہ مسالک کا مطالعہ کیا لیکن کہیں تشفی نہیں ہوئی۔ آخر کار تصوف کا مطالعہ کیا اور یہاں ان کی متاعِ گمشدہ انھیں حاصل ہوگئی۔ وہ صوفیاء سے بیحد متاثر ہوئے اور انھیں اپنا آئیڈیل بنایا اس نئی یافت کے بعد وہ دنیا اور اس کی علائق سے کنارہ کش ہوگئے حالانکہ ان کے ساتھیوں نے انھیں روکا لیکن وہ بغداد میں اپنا علمی وتدریسی حلقہ چھوڑ کر شام، فلسطین اور حجاز چلے گئے۔ آخری وقت میں پھر بغداد لوٹ آئے لیکن اپنی قلبی کیفیت کی تسکین وتسلی کے لئے وہ برابر تصوف سے جڑے رہے کیونکہ یہی مسلک ان کے نزدیک مبنی بر حق تھا (37)۔ بلاشبہ ایک عظیم مرتبہ پر فائز ہونے کے بعد اگر وہ چاہتے تو بہت سی باتیں چھپا لیتے۔ کم از کم عقائد میں اپنے ریب وتشکیک کا تذکرہ نہ کرتے۔ ان کی دوسری خوبی یہ ہے کہ وہ اپنی نفسیاتی اور ذہنی کیفیت بیان کرنے پر بھرپور

قدرت رکھتے ہیں اس کتاب میں جسطرح مختلف مواقع پر اندرونی جذبات واحساسات کی تعبیر کی گئی ہے وہ ان کی قوتِ بیان اور اظہار مافی الضمیر کی بہترین مثال ہے۔اس کتاب کی ادبی حیثیت مسلم ہے اگر اس کا اندازہ کرنا ہو تو صرف اس پیراگراف کا مطالعہ کافی ہے۔

''میں دنیا کی خواہشات اور آخرت کے محرکات کے مابین تقریباً چھ ماہ اندرونی کشمکش سے دوچار رہا..... یہاں تک کہ یہ معاملہ میرے ہاتھ سے نکل گیا۔اب میں چاہتا تو بھی اس سے نکل نہیں سکتا تھا۔اللہ تعالی نے میری زبان پر قفل ڈال دیا تھا۔ میں بعض لوگوں کی دلجوئی کیلئے کسی دن درس دینے کی کوشش کرتا تو میری زبان سے ایک بات بھی ادا نہیں ہو پاتی۔یہ معاملہ زبان سے نکل کر دل تک پہنچ گیا۔ میرا نظام ہاضمہ خراب ہو گیا اور کھانا پانی مجھے راس نہیں آنے لگا..... اطباء نے دیکھ کر کہا کہ یہ معاملہ دل سے ہو کر مزاج میں سرایت کر گیا ہے اب اس کا علاج ممکن نہیں۔اِلا یہ کہ اس تکلیف دہ غم کا کوئی علاج کر دیا جائے..... میں نے اللہ تعالی سے دعا کی پس اللہ تعالی نے مجھے دنیا سے بے نیاز کر دیا[38]۔

–مذکرات الأمیر عبداللہ: یہ کتاب جیسا کہ نام سے واضح ہے کہ غرناطہ کے آخری مسلم فرماں روا امیر عبداللہ کی خود نوشت ہے۔ان کی زندگی سازشوں، آزمائشوں اور تباہیوں کے درمیان بسر ہوئی۔انھیں ایک عیسائیوں کا مقابلہ کرنا پڑا تو دوسری طرف مرابطین کے فرماں روا یوسف بن تاشفین کی ناراضگی، عتاب اور حملے سے بچنا تھا۔ حکومت کمزور ہو چکی تھی اور مفاد پرست وزراء اور اُمراء دونوں طرف ساز باز کر کے امیر عبداللہ کو ہر طرح سے مفلوج کر دینا چاہتے تھے۔افواہوں کا بازار گرم تھا اور امیر کے ہر عمل اور حرکت کی غلط اور بے بنیاد تعبیر پیش کی جارہی تھی[39]۔ان حالات میں امیر نے اپنی خود نوشت لکھنے کا فیصلہ کیا، اور اپنے خلاف عائد کردہ تمام الزامات ،اپنے تمام اقدامات اور اپنی تمام پالیسیوں کی وضاحت کی۔انھوں نے صورت واقعہ بلا کسی کمی یا زیادتی کے لوگوں کے سامنے رکھ دی۔

اس کتاب کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ اس میں مصنف کی ذاتی زندگی اور نجی حالات کیساتھ ساتھ اندلس کی سیاسی اور معاشرتی زندگی کا بھی شاندار نقشہ پیش کیا گیا ہے۔اسطرح یہ ایک قیمتی تاریخی دستاویز قرار پاتی ہے جس سے مصنف کی شخصیت اور مصنف کے معاشرے کی صورتحال دونوں کے حقائق نمایاں ہو کر سامنے آجاتے ہیں۔اس کتاب کی ایک دوسری خوبی یہ ہے کہ اس کا انداز بیان ادبی ہے۔اس سے نفس کے اندر ادبی لذت پیدا ہوتی ہے۔اس لئے کہ امیر عبداللہ کا امتیاز ہی ان کا شیریں اور دلچسپ ادبی اسلوب ہے۔اسمیں مکالمات کو اسطرح فنی قالب میں پیش کر دیا جاتا ہے کہ پوری صورتحال اپنی حقیقی شکل میں سامنے آجاتی ہے۔انھیں بہر حال اپنی مکالمات کو جاندار انداز میں پیش کرنے کی بھرپور صلاحیت حاصل تھی۔انھوں نے زندگی کے واقعات میں حرکت اور حرارت پیدا کر دی اور اسے خیال اور تصور کی بھی تھوڑی سی مقدار سے مزین کر دیا۔ عربی خود نوشتوں میں اس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔اس لئے اپنی خوبیوں کی بنا پر یہ کتاب کی جمالیاتی حِس کو بیدار کر دیتی ہے اور اس کے اندر مزید مطالعہ کا شوق پیدا کرتی ہے۔اسے بار بار پڑھنے سے گھبراہٹ نہیں ہوتی۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی ڈرامہ یا افسانہ ہے حالانکہ بات ایسی نہیں ہے یہ اس کی فنی خوبی ہے اور پیشکش کا نرالا انداز ہے[40]۔

(*References*)

(1)- مجد الدين أبو طاهر مُحَّد بن يعقوب الفيروز آبادي: القاموس المحيط (56/2)، الناشر: مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت – لبنان، ط8، 2005م.

1. *Maǧd Al-dīn Muḥammad Ben ī'qūb Al-fīrūz Abādī: Al-qāmūs al-muḥīṭ (2: 56).*

(2)- اردو دائرہ معارف اسلامیہ، طبع اول، دانشگاہ پنجاب لاہور 1975، (ص 11).

2. *Urdū Dā'ira Ma'āref Islāmī (P: 11).*

(3)- فرانز روزنثال: علم التاريخ عند المسلمين (141)، ترجمة: د.صالح أحمد العلي، دار النشر: مؤسسة الرسالة بيروت 1983م.

3. *Frānz Rūznṯāl, 'lm Al-tārīḫ 'nd Al-muslmīn (P: 141).*

(4)- يحيى إبراهيم عبد الدايم: الترجمة الذاتية في الأدب العربي الحديث (31)، دار إحياء التراث العربي.

4. *īḥīi Ibrāhīm 'bd Al-dāīm: Al-tarğamẗ Al-ḏātīẗ Fī Al-'adab Al-'rabī Al-ḥadīṯ (P: 31).*

(5)- عبد الرحمان بدوي (119)، الموت والعبقرية، دار القلم- بيروت.

5. *'bd Al-rḥmān Badawi, Al-mūt Wāl'bqrīẗ (P: 119).*

(6)- دار الكتاب العربي، 1949م.

6. *Dār Al-ketab Al-'rbi, 1949.*

(7)- دار المعارف- مصر، 1955م.

7. *Dār Al-m'ārf, Egypt, 1955.*

(8)- الجنة، مصر، 1951م.

8. *Al-ğannaẗ, Egypt, 1951.*

(9)- مكتبة الانجلو، 1952م.

9. *mktbẗ al-ānğlū, 1952.*

(10)- ابن ابي أصيبعة: عيون الأنباء في طبقات الأطباء (66)، الناشر: دار مكتبة الحياة- بيروت، 1882م.

10. *Ibn Abī Uṣīb'ẗ: 'īūn Al-'anbā' Fi ṭabaqāt Al-'aṭebbā' (P: 66).*

(11)- تحقيق: مُحَمَّد كرد علي، ط أحمد عبيد بدمشق.

11. *Taḥqīq Muḥammad Kurd 'li.*

(12)- تحقيق: فيليب متى، ط- برنستون.

12. *Taḥqīq Fīlīb Matta.*

(13)- ط القاهرة، 1955م.

13. *Print Cairo, 1955.*

(14)- ابن أبي أصيبعة: عيون الأنباء في طبقات الأطباء (70). شوقي ضيف: الترجمة الشخصية (12-36).

14. *Ibn Abī Uṣīb'ẗ: 'īūn Al-'anbā' Fi ṭabaqāt Al-'aṭebbā' (P: 70)*

(15)- عادل الغضبان: فن التراجم، مجلة الكتاب، أبريل 1949م (7/ 507-508).

15. *'ādl ġaḍbān: Fun Al-tarāğem (7: 507-508).*

(16)- إحسان عباس: فن السيرة (123)، دار القلم- بيروت.

16. *Iḥsān 'bbās, Fan Al-sīrẗ (P: 123).*

(17)- عبد الرحمان بدوي (115)، الموت والعبقرية (115).

17. *'bd Al-rḥmān Badawi, Al-mūt Wāl'bqrīẗ (P: 115).*

(18)- ابن أبي أصيبعة: عيون الأنباء في طبقات الأطباء، قديم عربی خودنوشت کی تفصیلات، عبدالرحمن بدوي: الموت والعبقرية، اور معجم الأدباء، یعقوب الحموي سے ماخوذ ہیں۔

18. *Ibn Abī Uṣīb'ẗ: 'īūn Al-'anbā' Fi ṭabaqāt Al-'aṭebbā' (P: 70). 'bd Al-rḥmān Badawi, Al-mūt Wāl'bqrīẗ (P: 119). īāqūt Al-ḥamawy: M'ğam Al-'udabā'.*

(19)- شوقي ضيف: الترجمة الشخصية (12-93).

19. *Šūqi ḍīf: Al-tarğamaẗ Al-šaḥṣīẗ (P: 12-93).*

(20)- ابن أبي أصيبعة: عيون الأنباء في طبقات الأطباء (2/ 2)، (3/90-92).

20. *Ibn Abī Uṣīb'ẗ: 'īūn Al-'anbā' Fi ṭabaqāt Al-'aṭebbā' (2: 2), (3: 90-92).*

(21)- إحسان عباس: فن السيرة (121).

21. *Iḥsān 'bbās, Fan Al-sīrẗ (P: 121).*

(22)- ابن حزم الأندلسي: طوق الحمامة (28)، دار النشر: المؤسسة العربية للدراسات والنشر- بيروت/ لبنان، 1987م، ط2.

22. *Ibn ḥazm Al-'andalusī: ṭaūq Al-ḥamāmaẗ (P: 28).*

(23)- إحسان عباس: فن السيرة (122-123).

23. *Iḥsān 'bbās, Fan Al-sīrẗ (P: 122-123).*

(24)- المؤيد في الدين: السيرة المؤيدية (58)، دار الكتاب العربي المصري، 1949م.

24. *Al-mu'īd Fi Al-dīn: Al-sīrẗ Al-mu'īdīẗ (P: 58).*

(25)- ايضا(60-69).

25. *Ibid. (60-69).*

(26)- مُحَمَّد كامل حسين: في أدب مصر الفاطمية (116)، دار الفكر العربي- القاهرة.

26. *Muḥammad Kāmel ḥusaīn: Fi Adab Meṣr Al-fāṭemīẗ (P: 116).*

(27)- المؤيد في الدين: السيرة المؤيدية (13)، دار الفكر العربي- القاهرة، مقدمة مُحَمَّد كامل حسين.

27. *al-mu'īd fi al-dīn, al-sīrẗ al-mu'īdīẗ (P: 13).*

(28)- إحسان عباس: فن السيرة (130).

28. *Iḥsān 'bbās, Fan Al-sīrẗ (P: 130).*

(29)- تحقيق مُحَمَّد كامل حسين (169).

29. *Muḥammad Kāmel ḥusaīn (P: 169).*

(30) ابن خلدون: التعريف بابن خلدون (12–60)، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان.

30. *Ibn ḥaldūn: Al-t'rīf bebne ḥaldūn (P: 12-60).*

(31) . ايضا(82-84).

31. *Ibid. (P: 82-84).*

(32)- إحسان عباس: فن السيرة (120).

32. *Iḥsān 'bbās, Fan Al-sīrẗ (P: 120).*

(33)- أسامة بن منقذ: كتاب الاعتبار، جامعة مؤتة، الأردن (101).

33. *Usāmaẗ Ibn Munqeḏ: Ketāb Al-'tebār (P: 101).*

(34)- ايضا(102).

34. *Ibid. (P: 102).*

(35)- ايضا (162).

35. *Ibid. (P: 162).*

(36)- الإمام أبو حامد الغزالي: المنقذ من الضلال (33)، دار الكتب الحديثة- مصر.

36. *Al-imām Al-ġazālī: Al-munqeḏ Mn Al-ḍalāl (P: 33).*

(37)-ايضا (51).

37. *Ibid. (P: 51).*

(38)-ايضا (90-91).

38. *Ibid. (P: 90-91).*

(39)- عبد الله بن بلقين الصنهاجيّة: مذكرات الأمير عبد الله (121)، الناشر: دار المعارف-بيروت لبنان، 1998م.

39. *'bd Al-lah Bn Balqīn Al-ṣanhāğīwẗ: Muḏakkerāt Al-'amīr 'bd Al-lah (P: 121).*

(40)- يحيى إبراهيم عبد الدايم: الترجمة الذاتية في الأدب العربي الحديث (41).

40. *īḥīi Ibrāhīm 'bd Al-dāīm: Al-tarğamẗ Al-ḍātīẗ Fī Al-'adab Al-'rabī Al-ḥadīṯ (P: 41).*